سوال نمبر 2 (الف) (i)

مذہب اسلام:

تعلیم کے دوسرے دور میں اسلام دریائے سندھ کی حدوں تک پہنچ گیا تھا۔ بہت سے لوگ عرب سے نکل کر دوسری جگہ آباد ہو رہے تھے اور یوں اسلام پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اس فتح کے باوجود سلطنت نے علم و فن کو بڑھانے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اسلام کی بدولت عربی زبان کا فروغ بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ رہا تھا۔

سوال نمبر 2 (الف) (ii)

حکومت کا کردار نہ ہونا:

تعلیم کے فروغ میں حکومت کا کردار نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حکومت بے تعلق اور اوپری تھی۔ وہ اپنے فرائض سے غفلت کر رہی تھی اسی وجہ سے اس سلطنت میں نہ کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی یونیورسٹی۔ اسی وجہ سے ملک کے حال پر فاتح قوم کا عکس نظر نہیں آتا تھا۔

سوال نمبر 2 (الف) (iii)

زبان اور تعلیمی مراکز:

اس دور میں علوم و فنون کیلئے رائج ہونے والی زبان عربی تھی۔ اس دور کے مشہور تعلیمی مراکز مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس، بغداد، مصر، شام اور اندلس کے شہر اور گاؤں تھے۔ مسجد کے صحن، خانقاہوں کے حجرے اور ذاتی مقامات میں تعلیم حاصل کرنے کا فرض نبھایا جاتا تھا۔

سوال نمبر 2 (الف) (iv)

مخصوص جگہیں:

اس دور میں تعلیم کے حصول کیلئے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے اور ذاتی مکانات مخصوص تھے۔ ان سادہ عمارتوں میں تعلیم کی ترویج اور اشاعت عالی شان طریقے سے ہو رہی تھی۔ مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس وغیرہ تک تعلیم پہنچ چکی تھی۔

سوال نمبر 2 (الف) (۷)

تلخیص:

تعلیم کے دوسرے دور میں اسلام دنیا کے کونے کونے میں پھیل چکا تھا۔ لیکن سلطنت کی بے تعلقی کی وجہ سے تعلیم کی ترویج میں سلطنت کا ہاتھ نظر نہ آیا۔ عربی زبان میں پھیلنے والی تعلیم کئی شہروں اور گاؤں کے کونے کونے میں رچ بسی تھی۔ عام عمارتوں میں دی جانے والی تعلیم کا معیار بہت اونچا تھا۔

عنوان: تعلیم کے دوسرے دور کے مسلمانوں کا حال

سوال نمبر 2 (الف) (vi)

سوال نمبر 2(ب) (i)

نوجوانوں کو ترغیب:

شاعر نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اپنی تلوار وطن کے پاک نام پر اٹھاؤ اور اپنی جان ملک کیلئے قربان کر دو۔ وطن کو تمھاری ضرورت ہے۔ اے بہادر تلوار چلانے والو! وطن تمھیں پکار رہا ہے۔ دشمنوں کی صفوں کو توڑ کر آگے بڑھو اور فتح حاصل کرو۔

سوال نمبر 2(ب) (ii)

مرکزی خیال:

نظم "بڑھے چلو" میں شاعر وطن کے جوانوں کو وطن پر ہم قربان کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ شاعر نے نوجوانوں کو بیدار کیا ہے اور انھیں بتایا ہے کہ وطن کو ان کی ضرورت ہے۔ وہ بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وطن کی پاسبانی میں کردار ادا کریں۔

سوال نمبر 2(ب) (iii)

مفہوم:

اس شعر کا مفہوم ہے کہ اے تلوار چلانے والے بہادر نوجوانو! وطن کیلئے بہادری سے لڑتے ہوئے آگے بڑھو۔ بہادری سے دشمن کی صف توڑنے والو! بڑھے چلو اور حوصلہ نہ ہارنا۔

سوال نمبر2(ج) (i)

جیت ہار کا مقام:

عشق میں جیت اور ہار کو ایک جیسا مقام حاصل ہے۔ کیونکہ عشق میں محبوب کو پا لینا شرط نہیں ہوتی بلکہ جذبۂ عشق کی تڑپ میں کی گئی وفا عاشق کے بہترین ہونے کی پہچان ہے۔ عشق تو اذیت کو بھی مزے سے گزارنے کا نام ہے۔ عشق میں وفا اور صبر ہی ہار جیت کا فیصلہ کرتا ہے۔ عاشق کامیاب تب ہوتا ہے جب وہ محبوب کو نہ پانے کے بعد بھی اس سے محبت میں ڈوبا رہے۔

اس شرط پہ کھیلوں گی پیا پیار کی بازی
جیتی تو تجھے پاؤں ہاری تو پیا تیری!!

سوال نمبر 2 (ج) (ii)

انسان کی کیفیت:

درد، بحر میں انسان سنگ دل بن کر رہ جاتا ہے۔ جب انسان پر مسلسل غموں کی برسات ہو تو انسان کو مزید مشکلات دکھ پہنچا ہی نہیں سکتی۔ انسان ماحول کا عادی ہو جاتا ہے اور اب حالات اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑی مجھ پر کہ آساں ہو گئیں!!

سوال نمبر 2(د) (i)

امدادی فعل:

1- اس نے میری کتاب واپس کر دی۔

امدادی فعل: **دینا**

2- اذان کا وقت ہوا چاہتا ہے۔

امدادی فعل: **چاہنا**

3- وہ دو گھنٹے بعد یہاں سے چلا گیا۔

امدادی فعل: **جانا**

سوال نمبر 2(د) (ii)

مطلع:

لغوی معنی:

مطلع کے لغوی معنی طلوع ہونے کی جگہ کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

غزل یا قصیدے کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرع ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں غزل کہلاتی ہے۔

امثال:

؎ دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

؎ آکے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے

اقتباس کی تشریح :

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 1)

زیرِ تشریح اقتباس سبق "منظور" سے لیا گیا ہے۔ سبق کے آغاز میں اختر انتہائی کمزور اور نحیف حالت میں ہسپتال لایا جاتا ہے جہاں اسکی نبض بالکل دھڑکنا بند ہو جاتی ہے اور اسکے بچنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اللہ کے رحم و کرم سے ڈاکٹر اسکی طبیعت بحال کرنے میں کامیاب ہو کر رہ جاتے ہیں اور یوں وہ دوبارہ زندگی کا کٹھن سفر شروع کرتا ہے۔ ہسپتال میں اسکے ساتھ ایک چھوٹا بچا "منظور" بھی داخل ہوتا ہے۔ جو بچا دھڑ مفلوج ہونے کے باوجود پُرامید ہوتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ ایک دن بالکل ٹھیک ہو کر چلنے پھرنے لگے گا۔

منظور ہسپتال کو امید کی کرن دکھاتا رہتا تھا۔ اور یہ منظور ہی کی خوبصورت باتیں ہوا کرتی تھی کہ ہسپتال میں ساری نرسیں اسکی بہنیں اور سارے ڈاکٹر اسکے دوست ہوا کرتے تھے۔ منظور ہسپتال میں ہر ایک سے چیک کر باتیں کیا کرتا تھا اور ہر کوئی اسکے ساتھ بہتر محسوس کرتا تھا اختر کے ساتھ بھی کچھ یونی معاملہ پیش آیا تھا۔ اختر کا کوئی گھر بار نہیں تھا اور پتہ نہیں کیسے وہ ہسپتال میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اختر اپنی زندگی سے بالکل مایوس تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خوبصورت بچا اسکی زندگی کی بہار کو واپس لوٹا دے گا۔

اے دل ناامید نہیں ناکام ہی تو ہے!!
لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

یہی وجہ تھی کہ اختر منظور کا تہہ دل سے تشکر ادا کرتا تھا۔ اس کی نظر میں منظور کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ وہ ایک معمولی بچہ نہیں تھا بلکہ چلتے پھرتے امید کا پیغام دیتا تھا اور وہ وہاں اتنے دن رہا کہ اب ہسپتال کا ماحول اسکے بغیر اداس اور ناامید لگتا تھا۔

سوال نمبر 3 (صفحہ نمبر 2) اختر جو کہ زندگی سے بالکل تنگ ہو چکا تھا اب دوبارہ جینے میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ منظور ہی تھا جس نے اختر کے اس اداس دل میں امید اور روشنی کی وہ کرن جلائی تھی کہ اب منظور کے نہ ہوتے ہوئے بھی اختر زندگی کے رنگوں کو ایک نئی آنکھ سے دیکھ رہا تھا اختر نے اپنی زندگی میں اداسی کا عنصر بہت زیادہ محسوس کیا تھا۔ اب منظور کی وجہ سے وہ خوش اور پرامید ہو چکا تھا۔

اس کی ناامیدی امید میں بدل چکی تھی۔ منظور پوری طرح منوج ہونے کے باوجود پرامید تھا کہ ایک دن وہ چل پھر سکے گا اور اس مشکل وقت میں بھی وہ اس قدر خوش تھا کہ اختر پر بھی اسکی امید کا اثر ہوا اور منظور کی بدولت اختر پھر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آیا۔ ارشاد ہے

"مایوسی کفر ہے۔"

اختر چاہتا تھا کہ اب وہ جلد از جلد صحت یاب ہو اور ہسپتال کی اس گھٹی ہوئی فضا سے نکل کر زندگی کے رنگوں کا جائزہ خوبی لے سکے۔ آخر میں ہوا یوں کہ اختر تو بالکل صحت یاب ہو کر واپس زندگی جینے لگا مگر منظور جاں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور یوں خود تو وہ مزید زندگی گزار نہ سکا مگر دوسروں کیلئے امید اور روشنی کا پیغام چھوڑ گیا تھا۔

کچھ لوگ زندگی میں ایسا اثر چھوڑ جاتے ہیں کہ دل میں ہر وقت ان کا خیال رہتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کریں۔ منظور نے بھی اختر کی زندگی میں کچھ ایسا ہی کردار ادا کیا تھا مگر وہ خود تو زندگی کی رنگینیاں دیکھنے سے محروم ہو گیا۔ اللہ نے اس دنیا میں کئی انسانوں کو دوسروں کیلئے ہی بنایا ہوتا ہے اور یوں کرنے کے بعد بھی ایسے لوگ لوگوں کے سینوں میں زندہ رہتے ہیں۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 1)

نظم کی تشریح:

زیرِ تشریح اشعار نظم "مناظرِ سحر" سے لیے گئے ہیں جس میں شاعر صبح کی خوبصورت آب و فضا کو قلم بند کر رہے ہیں۔ شاعر کے مطابق صبح کا وقت وہ وقت ہوتا ہے جب پر روح میں "رب کی رحمت کے باعث سکون ہوتا ہے۔ کھ آنکھیں رو کر کسی چیز کی فریاد کر رہی ہوتی ہے تو کئی شکر اور کئی شکوے۔ اپنی اپنی زندگی کے درد بیان کر کے رب سے رحم اور شفقت کی درخواست کر رہی ہوتی ہیں کیونکہ صبح کے منظر سے پر روح پر اثر ہوتا ہے۔ اس وقت ہر ایک کے دل میں رحم اور شفقت ہوتا ہے۔ آقا غلاموں پر رحم کر رہے ہوتے ہیں اور سب اس خوبصورت فضا میں محو ہوتے ہیں۔

ع صبح کا منظر ہے کتنا دل نشیں
ہر طرف ہے نور سا پھیلا ہوا!!

دل نورِ خدا سے بھر جاتے ہیں اور ہر کوئی زندگی کو ایک نئی نظر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس وقت رب اپنے بندوں کے بہت قریب ہوتا ہے کیونکہ تمام اشیاء رب کے ہونے کی نشاندہی کر رہی ہوتی ہیں۔ دل رحم سے بھر جاتے ہیں اور اللہ فرشتوں کے ذریعے اپنی نعمتیں زمین کے رہنے والوں کو دے رہا ہوتا ہے۔ ماحول کی ہر شے رب کی ذات کا بول بالا کر رہی ہوتی ہے۔ صبح کی فضا اللہ کا پیغام ہے ہر گھر میں جا رہی ہوتی ہے۔ بادِ صبا ہر دل کو روشن کرتی ہے اور ہر آنکھ میں چمک لے آتی ہے۔ اس وقت ہر کوئی سکون کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ ندی اور دریا کا شور اس قدر خوبصورت محسوس ہوتا ہے کہ اس پر نرم بھی فدا ہو سکتا ہے۔ ہر شے میں لذت ہوتی ہے اور ہر چیز پر اثر ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4 (صفحہ نمبر 2) اس وقت جب رب کی موجودگی کا احساس کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے تو ہر کوئی یادِ ماضی میں کھو کر رب سے معافی کی فریاد کر دیا ہوتا ہے۔ کچھ سامنے کھڑی ہوئی پریشانی کے ٹلنے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ غرض اس وقت دو کر رب سے ہمدردی اور رحم و شفقت مانگنے میں اپنا ہی مزہ ہے۔ کسان اٹھ کر اپنے کام کو جا رہے ہوتے ہیں۔ آذان کی آواز میں جو لذت ہمیں ملتی ہے وہی پرندوں کو برہمن کی آواز میں نظر آتی ہے۔ سنہری رنگ کا افق ہر ایک کے دل میں تشکر پیدا کر دیتا ہے۔

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے، پیرہن!!

لیکن ابھی بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی ذات میں گم ہو کر صبح کے منظر سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ یا تو کوٹھیوں میں بند رہتے ہیں یا پھر نیند میں گم۔ شاعر ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم لوگوں کو اس وقت خودی چھوڑ دینی چاہیے۔ خودی سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات میں گم نہ ہو اور رب سے رحم کی دعا کرو۔ وہ رب رحیم ہے۔ ہر ایک کی سنتا ہے ہر کسی کسی کو چنتا ہے۔ اٹھو! اس غفلت کی نیند سے بیدار ہو اور رب سے دعا کرو۔

اس وقت رب دلوں کی مرادیں پوری کر رہا ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اللہ ہر ایک کے نزدیک ہوتا ہے۔ دن کا آغاز اللہ کے پاک نام سے کرنا چاہیے۔ شاعر نے بہت خوبصورتی سے صبح کے منظر کا انسانی زندگی پر اثر بیان کیا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب سب کے سب رب کے قریب ہوتے ہیں اور اللہ بھی اپنی مہربانی سب پر کر رہا ہوتا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 1) **شعر نمبر 1:**

اس شعر میں شاعر شکیب جلالی زندگی کی مشکلات کو موضوع بنا کر کہتے ہیں کہ ہمیشہ میں دوسرے کو اچھائی پہنچانے کی کوشش میں لگا دیتا ہوں مگر میرے ساتھ ہمیشہ برائی ہوتا ہے۔ اس شعر میں شاعر نے پھل دار درخت کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا کہ ایک درخت جس سے سب ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ سب سے اس سے فائدہ اٹھایا اور مجھے نقصان پہنچا دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ اس درخت کے پھل دوسری طرف گرے اور میری قسمت میں برائی ہی رہ گئی۔

جو برائی تھی میرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا برا تھا میرا اچھا ہونا!!

شاعر نے ابتدائی زندگی سے بہت سی مشکلات کا سامنا کیا تھا اور اس شعر میں "نا امیدی اور ناشکری" کا عنصر نمایاں ہے۔ اکثر مسلسل مشکلات سے دوچار ہوتے کے بعد انسان اس قدر برا بن جاتا ہے کہ اچھائی میں بھی برائی کا عنصر ڈھونڈ کر شکایت کرنے لگتا ہے۔

شاعر کہتے ہیں کہ زندگی نے ہمیشہ میرے ساتھ ناانصافی سے کام لیا ہے۔ میں ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر ہمیشہ نا امید اور ناکام ہو کر رہ جاتا ہوں۔ شاید میری قسمت ہی میرا ساتھ نہیں دیتی۔ دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے اور مجھے چلو فائدہ نہ ہوا مگر نقصان بھی تو نہ ہو۔ شاعر انتہائی افسوس اور تکلیف کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندگی کی ناانصافی کو بیان کر رہے ہیں۔ شاید زندگی سب کی ایک سی ہی ہوتی ہے مگر انسان کا چیزوں کو دیکھنے کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 2) **شعر نمبر ۲:**

اس شعر میں شاعر شکایت جلالی خودی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان پر جتنا مرضی مشکل وقت آ جائے، اسے ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہیئے اور دوسروں پر منحصر نہیں ہونا چاہیے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر میرے اوپر رب کے حکم سے مشکل وقت آئے تو مجھے بہادری سے اس کا سامنا کرنا چاہیئے اور خودداری کو اپنا شیوہ بناتے ہوئے محنت سے کام لینا چاہیے۔ مجھے مشکل میں دوسروں کے اوپر منحصر ہونے کی بجائے خودداری سے کام لینا چاہیے۔

ع خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے !!
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس شعر میں شاعر نے بہت خوبصورت مثال کا استعمال کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جس طرح دیوار کا سایہ دیوار پر گرتا ہے اسی طرح میں بھی زندگی کی مشکلات میں خود پر ہی انحصار کروں گا اور کسی سے رحمت کی درخواست کرنے کے بجائے اپنے اوپر یقین کرتے ہوئے مشکل کا سامنا بہادری سے کروں گا۔ یہاں سایہ پریشانی کی علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

شاعر نے ابتدائی زندگی سے ہی رنج و الم دیکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ اب یہ ٹھان چکے ہیں کہ وہ خودداری سے کام لیتے ہوئے دوسروں سے مدد کی بھیک نہیں مانگیں گے کیونکہ ایسا کرنے میں انسان صرف عزت سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

شاعر نے بڑے خوبصورت انداز میں فلسفۂ خودی کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مشکل میں انسان کو دوسروں کی راہ تکنے کے بجائے اپنی مدد آپ سے کام لینا چاہیے۔

سوال نمبر 5 (صفحہ نمبر 3)

شعر نمبر ۳:

اس شعر میں شاعر شکیب جلالی زندگی کے سنہرے دن کو یاد کرتے ہوئے اداس ہو رہے ہیں۔ شاعر اس وقت زندگی کی پریشانیوں اور غموں میں ڈوب چکے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ اچھے دن کے آثار میری زندگی پر ابھی ہیں۔ اس وقت تو میری زندگی میں اندھیرا ہے مگر اچھے دنوں کی یاد میرے دل میں ابھی بھی ہے اور اسے سوچ کر مجھے سکون ملتا ہے۔

شاعر نے اس شعر میں بہت خوبصورت مثال کے ذریعے اپنی موجودہ زندگی کے حالات کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ جس طرح دور سے چمکتا ہوا تارا ہر ایک کے دل میں امید لاتا ہے اسی طرح خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ وہ تارا مجھے مل جائے مگر جب وہ ستارے شکیب کے گھر میں گرے تو وہ اپنی روشنی کھو کر پتھر کی شکل اختیار کر چکے تھے

ع زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں۔

شاعر نے اس شعر میں زندگی کے برے دنوں کا ذکر بیان کیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دن مجھ سے جینے نہیں دیں گے کیونکہ میرے دل میں اچھے دنوں کی چمک ابھی بسیرا کر رہی ہے۔

شاعر نے قسمت کی ناانصافی کو خوبصورت طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ خیر جو دور سے انسان دیکھنے کے بعد پانے کی خواہش کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ اسے اسی حالت میں ملے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خیر جس کی وہ خواہش کرے انتہائی بری حالت میں اپنی زندگی کھو کر اسکے پاس پہنچے۔

آپ بیتی

پرانے موبائل فون کی آپ بیتی

آج جس حالت میں آپ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ یہ تو وقت اور حالات کا صدمہ ہے جو مجھے زندگی کے اس موڑ پر لا چھوڑا ہے۔ میری ایک دور میں بہت شان تھی مگر اب میں ایک پرانی دکان پر پڑا لوگوں کی رائیں تکتا ہوں۔

ہوا یوں کہ میری زندگی کا آغاز انتہائی سنہرا تھا اور میری وہ وقعت تھی کہ مٹنے نہ مٹتی۔ میں ایک مہنگی دکان میں آنکھ کھولی تھی اور وہاں کا ہر خریدار مجھے حسرت کی نگاہوں سے دیکھ کر گزرتا تھا۔ میرا مالک مجھے خوب سنبھال کر رکھتا تھا۔

اب ہوا یوں کہ ایک دن ایک بڑی سی گاڑی میں دو نوجوان آئے۔ کافی رعب و دبدبہ تھا۔ اکیلے پاس بہت بڑی اور رعب دار گاڑی تھی اور نوکر چاکر بھی تھے۔ انھوں نے مجھ پر نظر ڈالی اور مجھے خرید کر گھر لے گئے۔ انھوں نے میرے ساتھ اپنی تصویر کھنچوائی اور سارے دوستوں کو بھیج دی۔ مجھے اس وقت اپنی قسمت پر بڑا رشک آیا۔ اس امیر زادے نے دو چار مہینے مجھے استعمال کیا اور بہت خوش تھا۔ پھر ہوا یوں کہ ایک دن اسے اپنے نوکر پر غصہ آیا اور اس نے مجھے پکڑ کر دیوار پر دے مارا۔ میں اتنی زور سے جا کر لگا کہ میں تھوڑا سا ٹوٹ گیا۔ خیر غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد جب اس نے میری طرف توجہ دی تو اسے دکھ تو نہ ہوا مگر ارادہ کیا کہ وہ مجھے اپنے چھوٹے بھائی کو دے دے گا۔

یہ زندگی ہے یا کوئی طوفان

اس بچے نے میرا بالکل خیال نہ رکھا۔ میں ہر روز ایک دفعہ تو ضرور کرتا تھا۔ اسکی ماں اسے مجھے استعمال کرنے سے منع کرتی رہتی اور مجھے اس بچے کی وجہ سے بہت کچھ سننا پڑتا تھا۔ میری زندگی ویران ہوتی چلی جا رہی تھی اور دکھوں نے مجھے گھیر لیا تھا خیر کئی دن اسی طرح گزارے۔ آخر ہوا یوں کہ اس بچے نے ایک دن مجھے اس بے دردی سے پھینکا کہ اس دفعہ میں زخم کی تاب نہ لا سکا اور جان کا نظرانہ پیش کر دیا۔

اس نے اپنے نوکر کو دے دیا۔ اب میں دن بھر اس پرانے کمرے میں پڑا رہتا تھا۔ نوکر نے چند ہزار میں میری مرمت کروائی اور پھر مجھے استعمال کرنے لگ گیا۔ میں نے ۲ سال اس نوکر کے ساتھ گزارے اور سچ کہتے ہیں غریب کا دل بہت موم ہوتا ہے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ آخر میں ایک دن بالکل ہی بے کار ہو گیا اور میں مزید استعمال کے قابل نہ رہا۔

ے وقت کا دھارا بہتا جائے تیز بڑی اسکی رفتار
وقت کی دوڑ میں پیچھے ہیں جو مٹ جائیں گے آخرکار

اب میں کباڑ میں پڑا ہوں اور اپنی وقعت بالکل کھو چکا ہوں۔ سچ کہتے ہیں زندگی ایک سی جیسی نہیں رہتی اور ہر موڑ پر نیا راستہ اپنا لیتی ہے۔ آج میں اپنی وقعت کھو چکا ہوں۔ اور یہ جان چکا ہوں کہ ہر عروج کو زوال ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کے رہنے والے یہ نہ جانتے تھے کہ کون سی جڑی بوٹیاں کھائی جا سکتی ہیں اور کس طرح سے زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنی ہیں۔ یہ وہ انسان تھا جو پتوں سے خود کو ڈھانپا کرتا تھا اور غار میں سویا کرتا تھا۔ پتھر کو کاٹنے کیلئے استعمال کرتا تھا اور اسی سے آگ بھی جلاتا تھا۔ لیکن اس انسان نے ان حالات کے باوجود ترقی کر لی اور آج یہ دنیا بنا دی ہے جہاں ایسی اشیاء تخلیق ہو چکی ہیں کہ سمجھ سے باہر ہیں۔ غاروں میں رہنے والے انسان نے ترقی کرتے بیس بیس منزلوں والی عمارتیں کھڑی کر دی ہیں۔ پتھر سے آگ جلانے والے انسان نے آج کئی طرح کے قیل زمین سے نکال لیے ہیں جس سے لامحدود گھنٹوں کیلئے آگ جلائی جا سکتی ہے۔ بھلا انسان نے یہ ترقی کیسے کر لی اور وہ کیا چیز تھی جو اسے اس مقام پر لے آئی وہ انسان کی عقل و شعور تھی جس نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور ابھی نہ جانے کہاں تک اس زمین کے مکیں کی رسائی باقی ہے۔ ارشادِ قرآن ہے:

"اس میں عقل والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے؟"

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 2) انسان کی پہلی سائنسی ایجاد جس پر اس کو بے انتہا فخر تھا وہ پہیہ تھا۔ اور آج انسان نے چاند تک قدم رکھ لیا ہے۔ چاند پر قدم تو اب پرانی بات ہو چکی ہے۔ امریکی تو اب باہر کی دنیا میں جا کر ہمیشہ کیلئے رہنے کا سوچ رہے ہیں۔ مریخ پر زندگی بسر کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ آج کا انسان ترقی کی اس راہ پر گامزن ہو چکا ہے جہاں کا راستہ اپنا لیا ہے وہ لامحدود ہے اور بہتر سے بہترین کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں!!

انسان کی ایک اور بڑی اور اہمیت رکھنے والی ایجاد کمپیوٹر ہے جس نے انسان کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ میلوں دور بیٹھے ہوئے لوگ باآسانی ایک دوسرے سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پہلے پیغام پہنچانے کیلئے دنوں کا انتظار کرتے تھے۔ اور آج گھر بیٹھے چیزیں منگوا رہے ہیں اور زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ آج انسان کی زندگی میں آرام کا عنصر بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ انسان گھر بیٹھے نوکری کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ باہر کے رہنے والوں سے باآسانی باتیں کر سکتا ہے۔ پیسے دے بھی سکتا ہے اور لے بھی سکتا ہے۔ اس سے ملک کی معیشت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور یوں کامیابی ہر ایک کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 3) ترقی کرتے کرتے انسان اب گھنٹوں کا فاصلہ منٹوں میں طے کرنے کے قابل بن چکا ہے۔ اس قدر تیزی سے سفر کرنے والے جہاز بن چکے ہیں کہ انسان کو یقین نہیں آتا۔ آج انسان نے زندگی میں وہ کچھ حاصل کر لیا ہے جو پرانے وقتوں کا انسان سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سائنسی ترقی آج اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ عام انسان کی عقل و سمجھ میں یہ تمام باتیں نہیں آتی۔

ے عروجِ آدمِ خاکی سے یہ انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے!!

سائنسی ترقی نے ایک نیا موڑ لیا جب کمپیوٹر کی دنیا میں اے آئی نے قدم رکھا۔ کوئی بھی انسان کسی کا بھی روپ اختیار کر کے کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے با آسانی کسی پر بھی الزام لگایا جا سکتا ہے۔ اور یہ موڑ انسان کیلئے بہت مشکل ہے کیونکہ اس دنیا میں انسان کا کام اب مشین کریں گی اور ایسا کرنے سے انسان کی قدر میں کمی آ جائے گی۔

سائنس نے جہاں ٹیکنولوجی میں اتنی مہارت حاصل کر لی ہے وہاں ایسی گاڑیاں بھی بنا لی ہیں جو خود بخود چلتی ہیں اور اسے چلانے کیلئے انسان کی ضرورت نہیں۔ اسکے علاوہ اب علم طب میں انسان کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ لوگوں نے اپنے اندر چپ لگوا لی ہے جو بگڑتی حالت کا پہلے سے اندیشہ دے دیتی ہے اور یوں بیماری سے بچ سکتا ہے۔

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 4) غرضیکہ انسان ترقی کرتے ہوئے زمین کی حدود سے
بھی باہر جا پہنچا ہے اور نہ جانے آگے کتنی راہیں ہیں جن پر انسان
کو چلنا ہے اور اپنا لوہا منوانا ہے۔ انسان کی اس ترقی سے انسانیت
کو نقصان بھی ہوا ہے۔ خطرناک آلات کے ساتھ ساتھ انسانی کاموں
سے پیدا ہونے والی جان لیوا بیماریاں بھی بہت بڑھ چکی ہیں۔
لیکن یہ جان لینا ضروری ہے کہ سائنس نے انسان کی زندگی کو
بہت بہتر کر دیا ہے اور اسے اس مقام پر لے آئی ہے جہاں اس
نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ انسان کا ہر چیز پر اختیار ہے۔ اب یہ
اس پر ہے کہ وہ کس چیز کو فائدے کیلئے استعمال کرے اور کس
کو نقصان کیلئے۔ یہ جان لینا ضروری ہے کہ آج انسان ترقی کی
جس راہ پر چل پڑا ہے وہ کبھی کسی نے سوچا ہوگا اور سوچ
ہے حقیقت کا سفر طے کروانا ہی سائنس کا کام ہے۔
آج انسان کی ترقی کو دیکھ کر زبان خود بخود یہ کہنے پر مجبور
ہو جاتی ہے کہ

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں!!
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

انسان کی ترقی اور کامیابی اپنی مثال آپ ہے۔ انسان نے اس
دنیا کو اس قدر بدل کر رکھ دیا کہ اُس زمانے کا شخص اس دنیا
کو پہچان نہ پائے گا نہیں۔ انسان نے یہ سب پانے کے بعد اس
بات کا ثبوت دے دیا کہ انسان واقعی اشرف المخلوقات میں
سے ہے۔